

اردو سیرت نگاری پر بیسویں صدی کے سیاسی اثرات

Interpretation of political influences on Seerah writing in 20th century

☆ **Hafiz Tasadduq Mahmood**

PHD Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore, Pakistan

Citation:

Mahmood, Hafiz Tasadduq " Human genders in the light of the Qur'an and its Commentaries." Al-Idrāk Research Journal, 3, no.2, Jul-Dec (2023): 199– 222.



ABSTRACT

If, on one hand, 20th century has turned out to be a symbol of advancements, then on the other hand it has also proved to be a birth place of a multitude of miseries and problems. In the 20th century, the rise in publishing of books led the knowledge and wisdom to the acme of excellence and brought the whole world in harmony. Europe, Africa, Asia and America seemed to walk a long way on the road to prosperity. When knowledge and wisdom became deeply rooted in the society then the progress of commerce and industry also became a constant factor. Although the life of prophet (PBUH) was deeply studied through the ages, but it was again the 20th century that shined brightly in this aspect too. Many Muslims and Non- Muslims scholars also penned down a lot of work on the Seerah of Muhammad (PBUH). As a result of, the refined form of Seerah writing appeared before the world. Seerah writing, like other branches of knowledge, came under the influence of modern age and witnessed many improvements. It was particularly influenced by the unique political environment of Indo-Pak subcontinent. These influences have been discussed in this article.

Key Word: Colonial Impact on Seerah, long way, particularly influenced, political

تمہید

عام طور پر فکری اور علمی تحریکیں عوامی سطح پر زیادہ مقبول نہیں ہوتیں بلکہ ان کا ہدف معاشرے کے ذہین ترین افراد ہوتے ہیں۔ یہ معاشرے کا وہ طبقہ ہوتا ہے جو لکھنے پڑھنے، سوچنے سمجھنے، پالیسیاں بنانے اور معاشرے کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے یہ طبقہ محدود تھا لیکن دور جدید میں اس میں بہت وسعت آگئی ہے۔ حکمران، بڑے بڑے کاروباری افراد، مذہبی علماء، بیوروکریٹس اور پروفیشنلز جیسے استاذ، ڈاکٹر، انجینئرز اور اسکالرز اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ عام لوگوں کو تمام فکری تحریکوں کے بارے میں علم نہیں

ہوتا۔ اسی طرح معاشرے میں بالعموم اور دنیا میں بالخصوص تیزی سے رونما ہونے والے تغیر و تبدل سے معاشرے کی اکثریت ناواقف ہوتی ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو بیسویں صدی اپنے گونا گوں انقلابات کی وجہ سے نمایاں ہے کیونکہ بنی نوع انسان کے لیے نئے نئے چیلنجز اسی صدی میں رونما ہوئے۔

طباعت کا فروغ

انیسویں صدی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں میں طباعت کا فروغ ایک اہم سنگ میل ہے اور اس صدی میں ابلاغ و ترویج کے لیے استعمال ہونے والے ذرائع کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تالیف و تصنیف کا رواج تو اس سے بہت پہلے بھی تھا لیکن خیالات کے اظہار کے لیے بنیادی حیثیت قومی ذرائع یعنی اخبارات و رسائل کو حاصل تھی لیکن اسلامی فکر کا اظہار و عطا و تقریر، درس و تدریس اور مناظرہ و مجادلہ کے ذریعے ہوتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تالیف طبع کا رجحان کافی بڑھ گیا، لہذا خیالات کی ترویج و اشاعت کے لیے خاص و وسیع پیمانے پر کام ہونے لگا اور سیرت نگاری کا دامن بھی وسیع تر ہونے لگا۔ انیسویں صدی میں ادب کے دوسرے میدانوں کی طرح اردو سیرت کے میدان میں بھی نمایاں ترقی ہوئی۔ بیسویں صدی کے پہلے چالیس سال اس حوالے سے کافی اہمیت کے حامل ہیں کہ ان میں سیرت نگاری کے علاوہ مجموعی طور پر دینی ادب نے ایک اہم حیثیت حاصل کی۔

دینی ادب

دینی ادب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا پہلا وہ جس میں احکام الہی کو بیان کیا جاتا ہے یعنی دین کن باتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جن میں ان احکام کے مصالح، ان کے مضمرات اور ان کی حکمتوں کو روشناس کرایا جاتا ہے، یہی وہ حصہ ہے جس میں اس دور کی دینی فکر کو دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ دینی ادب کا تیسرا حصہ وہ ہے جسے دین کے مبلغین دوسرے مذاہب اور نظریات پر اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے اور اسے مضلین کے حملوں سے بچانے کے لیے تیار کرتے ہیں۔ پہلا حصہ بیانیہ ادب The statement Literature، دوسرا متکلمانہ Mutual Literature اور تیسرا مناظرانہ ادب Views Literature کہلاتا ہے۔ یہ تینوں اصناف اپنی اپنی الگ پہچان رکھتی ہیں اور اپنے درمیان واضح فرق و امتیاز ہونے کے علاوہ جداگانہ اسلوب کی حامل ہیں۔ دینی ادب میں ایک خاص قسم کی معروضیت پائی جاتی ہے کیونکہ ایسا ادب انسان کی داخلی کیفیات، شخصی

تاثرات اور جبلت¹ و فطرت کے عمل سے بڑی حد تک آزاد ہوتا ہے۔ اس وجہ سے دینی ادب میں فکری اور ادبی پہلو ثانوی حیثیت رکھتا ہے، فقہ اور احکام کی کتب اس کی مثالیں ہیں۔ دینی ادب کا یہی وہ حصہ ہے جس میں اس دور کے دینی مفکرین کے افکار و احساسات کی عکاسی ہوئی اور یہی چیز اسے ہمارے ادب کا قیمتی اثاثہ Valuable Asset اور متعلقہ دور کا آئینہ بناتی ہے۔

دینی اصول و ضوابط اور دائمی اقدار

دینی حقائق و اقدار، اصول و ضوابط دائمی اور ابدی صداقتیں ہیں ان میں مرور زمانہ کے ساتھ تغیر و تبدل کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہاں یہ سوال بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اگر دین ابدی صداقتوں کے مجموعے کا نام ہے تو دینی احکام کی تعبیر و توجیہ کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے۔ یہ سوال دینی ادب کے سلسلے میں بڑی مرکزی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ عدم تفہیم کی وجہ سے دین ذہنی پیچیدگیوں کا باعث رہا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ صرف ایک دور نہیں بلکہ برسوں سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ ہر فرد کی ذہنی سطح اور اپج ایک جیسی نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ وقت اور ماحول کے تقاضوں کا مختلف ہونا ہے کیونکہ ہر زمانہ اپنے ساتھ نئے فکری اور علمی مسائل لاتا ہے۔ اس پر دو طرح کے رد عمل سامنے آتے ہیں ایک طبقہ جن تعلیمات کو ازلی و عالمگیر سمجھتا ہے نئے تقاضوں کا کافی و شافی جواب نہ پا کر مضطرب ہو جاتا ہے اور یہ لوگ انحراف اور بغاوت پر اتر آتے ہیں اس صورت میں نئے حالات اور مسائل کی روشنی میں دین کی تعبیر و توجیہ کی جاتی ہے۔ یہ عمل دین میں قطع و برید کا متقاضی نہیں ہوتا بلکہ الہامی ہدایت پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث کی تعلیمات بھی اسی ضرورت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہر معاملہ میں تفصیلی ہدایت نہیں دی بلکہ کائنات کی بنیادی حقیقتوں اور دین کے اساسی اصولوں کو بیان فرما دیا ہے۔ اسلام کا ایک خاصہ یہ بھی ہے اس نے ایک طرف ابدی اصول و اقدار فراہم کی ہیں تو دوسری طرف ان حالات و مسائل سے نمٹنے کے لیے اجتہاد کا دروازہ بھی کھلا رکھا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جس کے زیر اثر ہر دور میں دینی ادب کا ایک قیمتی خزانہ وجود میں آتا ہے۔

¹ - جبلت جو پیچیدہ کرداری رویے کو منظم کرتی اور انہیں مختلف حالات کا رد عمل دینے کے قابل بناتی ہے۔ ہر ایک نوع میں یہ رویے ارتقا کے عمل کے دوران فطری انتخاب کے ذریعے تشکیل پائے۔

اسلام اور اس کی تعلیمات پر جو اعتراضات مخالفین اسلام کی طرف سے وارد ہوتے ہیں وہ بھی مفکرین کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتے ہیں یوں دین کی مدافعت میں ادب کا ایک پہلو وجود میں آتا ہے۔ ہر دور میں اسلام پر ہونے والی یلغار کا مفکرین نے مسکت جواب دیا اور یہ پہلو دین کی مزید تشریح و توضیح کا باعث بنا۔

دینی ادب اپنے تہذیبی دور سے بھی ایک خاص قسم کا رشتہ رکھتا ہے اور اس یعنی نوآبادیاتی دور¹ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دور ملت اسلامیہ کی تاریخ میں فیصلہ کن موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ تمدنی، فکری اور سیاسی حیثیت سے جو دور 1831ء اور 1857ء کے بعد شروع ہوا تھا وہ 1911ء میں ختم ہو گیا کیونکہ تقسیم بنگال² کی منسوخی مسلمانوں اور برطانوی حکومت میں سمجھوتے کی امید پر پانی پھیر گئی اور ٹکراؤ اور مخالفت نے جنم لے لیا تھا۔³ 1917ء میں انقلاب روس کے بعد اشتراکیت⁴ ایک عالمگیر تحریک بن گئی کیونکہ اشتراکیت کے علمی اور سیاسی ڈانڈے ترقی پسند فکر سے جاملتے ہیں۔

ان تمام علمی وسائل سے مستفید ہو کر کارل مارکس⁵ Marx, Karl Heinrich (1818-1883) نے تخلیقی سطح پر نظریہ اشتراکیت کی تشکیل کی اور سیاسی تحریک کا بھی آغاز کر دیا۔ روس کی ترقی سے متاثر ہو کر ہندوستان میں بھی سوشلسٹ⁶ اور کمیونسٹ پارٹی وجود میں آگئی اور اس ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی میں مقامی دانشور بھی شامل تھے

¹ - نوآبادیات سے مراد ہے کسی کو کسی مقام پر بسانا، ہجرت کر کے کسی جگہ جانا اور اسے وطن بنانا، دوسرے ملک کو نوآبادی بنا کر اس سے متمتع حاصل کرنا۔ ایسی طاقتور ملک کا اپنی سرحد سے باہر کسی دوسرے ملک کی حکومت کو ختم کر کے وہاں اپنی حکومت مستحکم کرنا اور مقامی لوگوں کے حقوق کا استحصال کر کے اپنی معیشت کو مضبوط کرنا نوآبادیات ہی کہلاتا ہے۔

² - 1905ء میں بنگال کی تقسیم کا اعلان ہوا اور 1911ء میں یہ تقسیم دوبارہ منسوخ کر دی گئی۔

³ - A.R Malik, A History of the Freedom Movement : being the story of Muslim Struggle for the Freedom of Hind – Pakistan, 1707-1947, Vol 3, Karachi, Pakistan Historical Society, 1961, P:381

⁴ - اشتراکیت سماجی و سیاسی تنظیم کا ایک نظریہ جو بیسویں صدی میں دنیا کی سیاست کی اہم قوت بنا رہا۔

⁵ - جرمن فلسفی، انسانی تاریخ کے نہایت متاثر کن مفکرین میں سے ایک۔ جس نے اپنے پی ایچ ڈی کے تھیس میں مارکس نے ہیگل کے فلسفہ سے انقلابی اور الحاد پرستانہ نتائج اخذ کیے۔

⁶ - سوشلسٹ ایسا نظام حکومت جو بنیادی ذرائع پیداوار اور تقسیم دولت پر ریاستی ملکیت اور کنٹرول کا تقاضہ کرتا ہے۔

۔ سوشلزم کا چرچہ 1935ء میں شروع ہوا اور 1947ء تک اس کا جادو سرچڑھ کے بولنے لگا اور لکھنے والوں کی اکثریت اس سے خصوصی طور پر متاثر ہوئی۔ نوآبادیاتی عہد کی تاریخ کے ایک اہم مصنف ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اس تمام دور اپنے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ادھر ہندوستان میں تحریک آزادی زور پکڑ چکی تھی، دو بڑی قومیں ہندو مسلم آزادی کے لیے متحدہ کوشش کر رہی تھیں۔ میثاق لکھنؤ (1916) اور تحریک عدم تعاون (1919) اتحاد پر مبنی مظاہر ہیں۔ دونوں قومیں یکساں جانفشانی سے انگریز کے خلاف سینہ سپر رہیں حتیٰ کہ 1935ء میں انگریز سامراج کمزور ہونے لگا اور دوسری جنگ عظیم (1939ء-1945) نے اس کی بنیادوں کو مزید متزلزل کر دیا۔ 1935ء میں دستور کے مطابق ہندوستان میں قومی حکومتیں قائم ہوئیں مگر اس کے نتیجے میں ہندو مسلم اختلافات اور شدید ہو گئے اور مسلم لیگ کانگریس سے دور ہوتی گئی یوں ہندو مسلم اتحاد کانگریس کی تنگ نظری کی نذر ہو گیا۔ تحریک عدم تعاون² جو تحریک خلافت کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اسے گاندھی، موہن داس کرم چند (1869-1948ء)³ نے بلا مشورہ ختم کر دیا، اور فروری 1922ء میں چورچوری⁴ کے واقعہ کو بہانہ بنا کر گاندھی نے یہ من مانا اقدام کیا۔⁵

برصغیر میں نوآبادیاتی دور

برصغیر میں نوآبادیاتی دور⁶ مسلمانوں کے لیے سیاسی زوال اور معاشرتی، مذہبی اور اخلاقی انحطاط سے عبارت ہے۔

¹۔ کمیونزم ایک سیاسی تحریک جس نے مزدور انقلاب کے ذریعے سرمایہ داری کو ختم کرنے اور ایک ایسا نظام قائم کرنے کی کوشش کی جس میں جائیداد افراد کی بجائے بحیثیت مجموعی عوام کی زیر ملکیت ہو۔

²۔ تحریک عدم تعاون ہی تحریک مموالات کہلاتی ہے جس کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا کہ حکومت برطانیہ کے خاتمے کے لیے عدم تعاون کی جائے۔

³۔ ہندوستانی قوم پرست راہنما جس نے ایک غیر متشدد انقلاب کے ذریعے ملک کی تحریک آزادی کی قیادت سنبھالی۔ وہ 2 اکتوبر 1869ء کو بھارتی ریاست گجرات میں پیدا ہوا اور یونیورسٹی کالج لندن سے قانون کی تعلیم حاصل کی۔

⁴۔ چورچوری کے مقام پر عدم تعاون کی تحریک کے تحت ایک پھرے ہوئے جلوس نے تھانے کو آگ لگا کر بانیس پولیس والے زندہ جلا دیے۔

⁵۔ قریشی، اشتیاق حسین، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ (کراچی: کراچی یونیورسٹی، 1968ء)، 360۔

Quraishī, Ishtīq Hussaīn, Barr-i 'azīm Pāk o hind kī Millat-i Islāmīyah (Karachi: University of Karachi, 1968), 360.

⁶۔ سولہویں صدی عیسوی میں انگریز تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے اور وقت کے ساتھ ساتھ حکومت بھی حاصل کر لی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے جنگ پلاسی مالہ وصول کرنے کا ذریعہ بنی اور وہ دوسرے علاقوں بہار، اڑیسہ اور بنگال میں اور زیادہ مستحکم ہو گئی یوں آہستہ آہستہ ہندوستان برطانوی نوآبادیات میں تبدیل ہو گیا۔

اس صورت حال میں برصغیر کے مسلم باسیوں کو بالخصوص ایک ایسی فکری اور اصلاحی راہنمائی کی ضرورت تھی جو اس وقت کی نابغہ روزگار ہستی شاہ ولی اللہ (1703ء-1762ء)¹ نے شروع کی جو اس دور کے ان علاقے سے واقف تھے جو مسلمانوں کو جکڑے ہوئے تھے اور ان عوارض کا تدارک کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے جن میں ملت اسلامیہ مبتلا تھی۔ ان کے ذہن میں اسلام کا منطقی، عملی اور تشکیلی تصور بھی موجود تھا جس کی روشنی میں مسلمانان برصغیر کے دکھوں کا مداوہ ممکن تھا۔ سب سے اولین کوشش شاہ صاحب نے یہ کی کہ مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کو تباہی سے بچایا جائے اور امن و امان قائم کیا جائے تاکہ مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی اصلاحات کا وقوع ممکن ہو سکے۔ اس ضمن میں اگرچہ شاہ صاحب کی عملی کوششیں بار آور نہ ہو سکیں کیونکہ حکمران کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کرتے رہے لیکن آپ نے اپنے وابستگان میں جو شعور پیدا کر دیا تھا اس نے بعد میں آنے والے مصلحین اور مجاہدین شاہ عبد العزیز (1746ء-1823ء) اور سید احمد بریلوی² (1786ء-1831ء) وغیرہ نے اپنی اپنی حد تک اس سے فائدہ اٹھایا اور برصغیر کے مسلمانوں کی فلاح و کامرانی کے لیے عملی کوششیں جاری رکھیں۔ ان کی تحریک جہاد کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی لیکن انگریزوں کے خلاف 1857ء کی جنگ آزادی ان ہی کے پیدا کردہ جذبہ و احساس کے تحت واقع ہوئی، یہ جنگ بھی مسلمانوں کو ابتلاء و آزمائش سے نہ بچا سکی بلکہ مسلمانوں کے مسائل میں اور اضافہ ہو گیا۔ تاہم برصغیر کے مسلمان اس جنگ کی وجہ سے اس قابل ضرور ہو گئے تھے کہ اپنی ناکامیوں کا محاسبہ کر سکیں اور اپنے قومی مستقبل اور اجتماعی شعور کے لیے ایسی راہ منتخب کر لیں جس پر چل کر اپنا مستقبل محفوظ کر لیں۔ پھر سر سید احمد خان (1817ء-1898ء)³ ان کے فکری و عملی راہنما کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

1857ء کے احساس شکست نے مایوسی کی جو کیفیت پیدا کی تھی اس نئی جہت نے اسے دور کر دیا، ملی وجود کا احساس اور ہر شعبے میں اس کا اظہار اس دور کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ 1914ء سے 1939ء تک یعنی دونوں عالمی جنگوں⁴

¹ - شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جنہوں نے مسلم راج کو جاری رکھنے اور جنوبی ایشیا میں علمی فروغ کے لیے بہت کام کیا۔

² - انیسویں صدی کے ربح اول میں اصلاح دین اور جہاد کا علمبردار رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ سترہ برس کی عمر میں شاہ عبد العزیز کی خدمت میں حاضر ہو کر شاہ عبد القادر سے فارسی اور عربی پڑھی۔

³ - برصغیر کا ممتاز ماہر تعلیم، فقہ دان اور مصنف جس نے علی گڑھ میں محمدن اینگلو اورینٹل (ایم۔ اے۔ او) کالج کی بنیاد رکھی۔

⁴ - عالمی جنگ جس میں یورپ کی طاقتوں کو روس، امریکہ، مشرق وسطیٰ اور دیگر خطوں کے ساتھ الجھا دیا گیا۔

کا عرصہ ایسی حیثیت رکھتا ہے جہاں پرانے راستے مسدود ہونے کے بعد نئے باب واہوتے ہیں، یہ عہد سابقہ اور لاحقہ دور میں ایک گزر گاہ کی حیثیت کا حامل ہے۔ اس دور نے جہاں دوستوں اور دشمنوں کی صف بندی کر دی وہیں سیاسی اور تہذیبی اہداف کو بھی واضح کر دیا۔ اس طرح اس دور کو ملت اسلامیہ کے جدید ذہن کی تشکیل کا دور کہا جاسکتا ہے کیونکہ مستقبل کی تحریکات نے اسی دور میں عملی صورت اختیار کی۔ اس عہد کی دوسری اہم خصوصیت اتحاد و اتفاق ہے جدید اور قدیم استعارے یہاں بغل گیر دکھائی دیتے ہیں۔ جدید فکر کی حامل علی گڑھ¹ سے تیار ہونے والی نسل بھی عملی میدان میں آگئی اور قدامت کا علمبردار دیوبند² بھی آزادی مسلم کا نعرہ بلند کرنے لگا۔ یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک عجیب تجربہ تھا جس نے اس زمانے کو منفرد حیثیت بخشی، لہذا یہ ماحول بھی اپنے عہد میں پیدا شدہ دینی ادب پر اثر انداز ہوا۔ قدیم روایات سے انحراف اور نئے دور کے فکری، تعلیمی، تہذیبی، سماجی اور اخلاقی مسائل سے نبرد آزمائی کی جھلک اس دور میں صاف دکھائی دیتی ہے۔

اس سارے زمانے میں مسلمان تاریخ کے شدید چیلنج سے دوچار رہے۔ مغرب کا چودہویں صدی سے شروع ہونے والا انقلاب اپنی تکمیل کو پہنچ چکا تھا، بزعم خود خدائی انسان³ نے فکر و عمل کی نئی تنظیم بندی کی۔ اب دنیا کی توجہ ما بعد الطبیعیاتی⁴ مسائل نہیں تھے بلکہ طبیعیات⁵ تھی، مذہب کے جو اصول نئی فکر سے متضاد دکھائی دیے ان کو پس پشت ڈال دیا گیا اور مذہب کے بارے میں حقارت کا رویہ اختیار کیا گیا اور یہی مغربی اقوام کے سیاسی تفوق کا شاخصانہ ثابت ہوا۔⁶ پوری دنیا کی طرح برصغیر پاک و ہند کی ذہنی سطح بھی اس سارے ماحول سے متاثر ہوئی مغرب

¹ - شمالی ہندوستان، اتر پردیش ریاست میں آگرہ کے قریب مشہور شہر جہاں 1875ء میں محمدن اینگلو اورینٹل یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ یونیورسٹی ایشیا میں مغربی تہذیب کے مطالعہ کے لیے مشہور ترین اداروں میں سے ایک ہے۔

² - یہاں دیوبند سے مراد مدرسہ دیوبند کی فکر کے حامل افراد ہیں۔ دیوبند انڈیا کا ایک مشہور قصبہ ہے۔

³ - خدائی انسان کا پس منظر ہیومنزم (Humanism) کی تحریک ہے جس نے کلی اختیار کا مالک انسان کو قرار دیا۔

⁴ - ما بعد الطبیعیات فلسفے کی ایک شاخ ہے جس کا تعلق حقیقت مطلق کی نوعیت سے ہے۔ ما بعد الطبیعیات کو عموماً وجودیات اور ما بعد الطبیعیات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

⁵ - طبیعیات سائنس کی ایک اہم شاخ ہے جس کا تعلق کائنات کے بنیادی اجزاء، ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے والی قوتوں اور ان قوتوں کے پیدا کردہ نتائج سے ہے۔

⁶ - Toynbee, A.J, A Study of History, Vol.8, London Oxford Press, 1954, Page No: 58

کا الحاد¹ و زندگییت یہاں بھی رنگ جمائے لگا۔ جلتی پر تیل کا کام ان مسیحیوں نے کیا جو یہاں تخت حکومت پہ براجمان تھے کیونکہ مغربی افکار کی یلغار سامراجی اور استعماری² قوتوں کی سرپرستی میں ہو رہی تھی۔ مغرب برصغیر میں نیم خواندہ اور غیر مہذب مشرق کو تعلیم دینے میں مصروف تھا۔³

انیسویں صدی کے اہم فکری رجحانات

انیسویں صدی کا یہ تصادم غیر متوازن Unbalanced collision تھا کیونکہ مسلمان محکوم اور انگریز حاکم تھا جس نے علمی میدان میں مسلمانوں کی قوت مزاحمت power of resistance کو متاثر کیا۔ المختصر انیسویں صدی نے تین اہم فکری رجحان بیسویں صدی کو ورثے میں دیے۔

1۔ آزادی اور مصالحت کا رجحان

2۔ اسلام کے عقل و سائنس کا مؤید ہونے کا رجحان

3۔ مصالحت اور عقل و سائنس کی تائید کا رجحان

سیاسی اعتبار سے بھی یہ دور خاص اہمیت کا حامل ہے جنگ آزادی کی ناکامی کے باوجود انگریز کی قوت کا سحر ٹوٹنے لگا تھا، مشرق سے جاپان کا ابھرنا اور ایک مغربی طاقت کو شکست دینا ایام کی تبدیلی کا واضح اشارہ تھا۔⁴ روس کے جاپان سے شکست کھانے کے بعد عالمی طاقت کا توازن بگڑ گیا، دولت عثمانیہ (Ottoman Empire) پر بھی اسی دور میں دست دراز کیا گیا کیونکہ برطانیہ نے سرعام دولت عثمانیہ (1824-1281)⁵ کے خلاف کھلم کھلا جارحانہ رویہ

¹ عربی لفظ الحاد کا مطلب ایک طرف مڑنا ہے۔ تلحدیت کو لادریت سے میز کیا جاتا ہے لیکن یہ تلحدیت ہی کی ایک صورت ہے۔

² استعماریت۔ طاقتور ممالک یا افراد کا کمزور ممالک یا افراد پر کنٹرول حاصل کرنا یا اسے قائم رکھنا۔

³ سید احمد خان، رسالہ اسباب بغاوت ہند، (مترجم: ڈاکٹر محمود حسین)، کراچی، 1955ء، صفحہ 13

Syed Ahmad Khan, Risalah Asabb Subbada Hind, (Translator: Dr. Mahmood Hussain), Karachi, 1955, page 13

⁴ - Mushir ul Hassan , My Life A Fragment: A Autobiographical Sketch of Maulana Muhammad Ali, Manohar Pubsns; Dehli, 1 April 1999, Page:34

⁵ ایک مسلم سلطنت جس کا مرکز موجودہ ترکی میں تھا جس کی بنیاد تیرہویں صدی میں رکھی گئی اور بیسویں صدی کے اوائل میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

اختیار کیا۔ عربوں اور عثمانی یورپ¹ کو بغاوت پر ابھارا گیا اور یہ سلسلہ پہلی عالمی جنگ (1914-1919) بلکہ اس کے بعد تک جاری رہا۔²

نوآبادیاتی دور کی خصوصیات

برصغیر میں بھی سلطنت برطانیہ (Empire, British)³ نے بے اعتدالی اور نا انصافی کا بازار گرم کر رکھا تھا جس نے برطانیہ کی مخالفت کے رجحان کو مزید تقویت دی۔ ان حالات نے مسلمانوں کو اس حقیقت سے دوچار کیا کہ وہ عددی اعتبار سے اب بھی سیاسی اقلیت ہیں۔ ان کو آزادی کی جدوجہد میں اپنا مخصوص موقف ترتیب دینے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی اور یہی احساس تیس سال کی کدوکاش کے بعد مطالبہ آزادی کی شکل میں نمودار ہوا۔ اس سارے پس منظر نے جذبہ اسلامی قومیت کو ابھارا اور اس تصور کی وضاحت کی۔

اگر اس دور کی تہذیب و تمدن کی بات کی جائے تو اس عہد میں نمودار ہونے والی تبدیلیاں قابل ذکر ہیں۔ اس عہد میں تعلیمی انقلاب Revolution⁴ کے اثرات رونما ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ایک طبقہ وہ تھا جسے جاگیر دارانہ

1۔ پہلی عالمی جنگ میں مرکزی طاقتوں کی جانب سے ترکی کی شمولیت کے باعث عرب علاقے ہاتھ سے نکل گئے اور یورپی طاقتوں کو اصل ترک علاقے کے دعویدار بننے کی تحریص ہوئی۔

2۔ The Board of Editors, 1957. Chairman Mahmud Husain, A History of the Freedom Movement: Being the Story of the Muslim Struggle for the Freedom of Hind - Pakistan Karachi Pakistan Historical Society, 1707- 1947. January 1, 1960, Page: 412

3۔ برطانیہ عظمیٰ اور شمالی آئرلینڈ کی متحدہ بادشاہت (یو۔ کے) کو دیا گیا نام۔ اس میں سابقہ عمل داریاں، نوآبادیاں اور دنیا بھر میں دیگر علاقے بھی شامل تھے جو 1500ء سے لے کر بیسویں صدی کے وسط تک خود کو تاج برطانیہ سے منسوب کرتے رہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں سلطنت برطانیہ میں دنیا کے رقبے کا تیس فیصد اور چالیس کروڑ لوگ شامل تھے برطانوی نوآبادیوں میں بڑھتی ہوئی قوم پرستی نے آہستہ آہستہ سلطنت کی طاقت توڑ دی۔ یوں برطانیہ اپنی سابقہ نوآبادیوں کو آزادی دینے پر مجبور ہو گیا جن میں ہندوستان بھی شامل ہے۔

4۔ سماجی یا سیاسی نظام میں ملک کی آبادی کے کافی بڑے حصے کی لائی ہوئی جبری، ہمہ گیر اور اکثر متشدد تبدیلی۔ انقلاب کسی منحرف گروپ کی اختیار کردہ انتہائی درجے کی سیاسی راہ ہے۔

نظام¹ نے پروان چڑھایا اور دوسرا طبقہ ان تعلیمی اداروں سے فیض یاب ہونے والا متوسط طبقہ تھا۔ اس دور میں صنعتی انقلاب Industrial revolution² کی کرنیں بھی پھوٹنے لگیں، قومی زندگی میں اور سیاسی دھارے میں نوجوان نسل کا معتد بہ اضافہ ہوا نیز صنعتی ترقی کے ساتھ اس طبقے کا ارتقاء بھی ضروری تھا۔ یہ تمام تبدیلیاں قومی زندگی کے نشیب و فراز کو بلا واسطہ اور بلا واسطہ متاثر کر رہی تھیں۔ فکری اور نظریاتی طور پر بھی یہ دور اہمیت کا حامل ہے، انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے شروع میں یورپ میں قومیت اور اشتراکیت نے بہت زور پکڑا۔ پہلا اشتراکی انقلاب روس³ میں 1917ء میں رونما ہوا۔ بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں جرمنی، اٹلی اور دیگر ممالک میں قومی اشتراکیت، فاشزم Fascism⁴ اور نازی ازم نے فروغ حاصل کیا۔ ان تحریکات نے برصغیر پاک و ہند کے نوجوان ذہن کو بھی متاثر کیا اور بہت سے نظریاتی مباحث نے جنم لیا۔ انیسویں صدی کے وسط میں ہندو دھرم اور تہذیب کے احیاء کی تحریک کام کر رہی تھیں، آریہ سماج⁵ اور سنگھٹن نے فروغ پایا حتیٰ کی شدھی⁶ کی منظم کوشش کی گئی۔ اس پس منظر نے ہندو مسلم میں مذہبی جداگانہ احساس کو تقویت بخشی، سیاسی اتحاد کی کوششیں بھی اس بعد Distance کو کم نہ کر سکیں۔⁷

- 1۔ ملکیت زمین کی ایک صورت جو مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندوستان میں رونما ہوئی اس میں جاگیر کی آمدنی کی وصولی اور اس پر حکومت کرنے کا اختیار ریاست کے ایک افسر کو سونپا جاتا تھا
- 2۔ اٹھارہویں صدی کے برطانیہ میں جسمانی محنت کے بجائے مشینوں کا وسیع پیمانے پر استعمال۔ صنعتی انقلاب کئی اساسی، باہم مربوط تبدیلیوں کا نتیجہ تھا جنہوں نے زرعی معیشتوں کو صنعتی معیشتوں میں بدل دیا۔
- 3۔ ماہ اکتوبر میں دوسرے انقلاب نے دنیا کی پہلی کمیونسٹ ریاست تخلیق کی۔ ان انقلابات میں ملک کے مزدوروں، کسانوں کی جانب سے شورشوں کا ایک سلسلہ شامل تھا۔
- 4۔ فسطائیت۔ جدید سیاسی نظریہ جو قومی یگانگت یا نسلی احساس شناخت کے احساس کو تقویت دینے کے ذریعے ملک کی سماجی، معاشی اور ثقافتی زندگی میں نئی جان ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔
- 5۔ 1875ء میں سوامی دیانند سرسوتی کا قائم کردہ ہندو مذہبی فرقہ، جس کے تحت تمام ہندوؤں پر زور دیا گیا کہ ویدوں سے رجوع کریں اور دنیا میں ان کی تبلیغ کریں۔

6۔ شدھی تحریک 1923ء میں شردھانند نے مسلمان ماکانہ راجپوتوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لیے شروع کی۔

7۔ قریبی، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، 324۔

علمی و تحقیقی مجلہ الادراک

اس تناظر میں برصغیر کے نمایاں اہل قلم کا ذکر کیا جائے تو شبلی نعمانی کی علمی روایت میں عقلیت Rationality، تاریخت Sanity اور حرکیت Dynamics کو نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے اور ان کی عقلیت پر اعتزال کا بھی اثر ہے۔ نئے دور میں عقلیت کی روایت نے ابو الکلام آزاد (1888ء-1958ء)، ڈاکٹر محمد اقبال (1877ء-1988ء) اور ابو الاعلیٰ مودودی (1903-1979ء) کی تحریروں میں بالکل نیا آہنگ اختیار کیا اور نیا علم الکلام (Scholasticism) تیار ہوا جو بیسویں صدی کے افکار و مسائل کے درمیان معرض وجود میں آیا۔ شبلی (1857-1914ء)¹ کی تاریخت کا بہترین اظہار ان اداروں اور افراد کے ذریعے ہوا جن کی تعمیر میں شبلی نے نمایاں حصہ لیا یعنی ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ یہ ہے وہ ذہنی، تہذیبی اور سیاسی پس منظر جس میں اس دور کا دینی ادب وجود میں آیا۔

بحیثیت مجموعی نوآبادیاتی دور ہندوستان کے باسیوں کے جمود Fitched میں حرکت اور تحریک کا باعث بنا، اس دور میں علمی، مذہبی اور سیاسی بیداری نے جنم لیا۔ آزاد روی کے قائلین نے سائنس، عقلیت اور تمدن جدید کی اقدار کو بنیاد بنا کر مذہب کی تشکیل نو کی کوشش کی۔ اس صدی میں دین اور سیاست کا تعلق اور گہرا ہو گیا، فکری، تعلیمی اور سیاسی میدانوں میں مذہبی بیداری پیدا ہوئی۔ اگرچہ ایک قلیل گروہ نے غیر اسلامی تصور حیات کو قبول کیا تاہم اکثریت نے اسلامی اقدار و روایات سے اپنے جذباتی رشتے کو مضبوط رکھا۔ اس دور کا دینی ادب اپنے اندر گونا گوں اسالیب نگارش رکھتا ہے۔ مثلاً مذہب اور عقل و سائنس کی بحث سے تمام اہل علم نے تعارض کیا، ماضی میں عقل و سائنس کے بارے میں رجحان یہ تھا کہ سائنس کو محکم مانا جائے اور مذہب کی ان باتوں کی تاویل کی جائے جو سائنس سے متصادم ہیں۔ جن و ملائکہ، حشر و نشر، عالم برزخ، معجزات ﷺ اور معراج النبی ﷺ وغیرہ کے بارے میں یہی رویہ اختیار کیا گیا۔ دوسرا رجحان اسلام کو عقل و سائنس کا مؤید دکھانے کا تھا جس کے تحت سمجھا جانے لگا کہ یورپ کی ترقی ہماری مرہون منت ہے اور آج جدید یورپ سے ہم جو کچھ لے رہے ہیں یہ ہماری ہی وراثت ہے۔ پہلا رجحان عنایت اللہ خان مشرقی (1888-1963)، غلام احمد پرویز (1903-1985) اور غلام

Quraishī, Barr-i 'azīm Pāk o hind kī Millat-i Islāmiyah, 324

¹۔ برصغیر کا مشہور مؤرخ، مصنف اور شاعر، اعظم گڑھ، یوپی کے نواحی قصبے بندول میں پیدا ہوا۔ اعظم گڑھ میں دارالمصنفین کا قیام اہم کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی، سیرت النبی ﷺ لکھی جو اپنی مثال آپ ہے۔

جیلانی برق (1901-1985) کے ہاں دکھائی دیتا ہے۔ یہ رجحان دبتا گیا اور دوسرا مزید ترقی کرتا گیا اور ان سے مزید دور رجحان رونما ہوئے۔ ایک یہ کہ سائنس، عقلیت اور آزاد پسندی کا تنقیدی جائزہ لیا گیا اور یہ واضح کیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک کا کون سا پہلو ثابت اور غیر ثابت پہلو کون کون سا ہے اور آیا مذہب کو سائنس کے تابع کرنا ضروری ہے یا مذہب، عقل اور سائنس ہر ایک اپنے اپنے طریقے سے حقیقت تک پہنچنے میں مدد دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس کی فراہم کردہ معلومات حد یقین کو نہیں پہنچتیں، علامہ شبلی نے عقل اور فلسفہ سے مذہب کی تائید کو واضح کیا۔¹ علامہ اقبال (1877-1988ء) نے مذہب اور سائنس دونوں کی تکمیلی حیثیت کو واضح کیا۔²

مولانا ابوالکلام (1888-1958ء) نے وحی، جبلت، وجدان اور عقل کے تعلق کے حوالے سے بحث کی اور بتایا کہ ایک دوسرے کی تصحیح اور تکمیل کرتا ہے۔³ مولانا محمد علی جوہر (1878-1931) نے کشف، عقل اور نقل کے رشتے کو غیر منفک ثابت کیا اور عقل و سائنس کے نام پر نقل کو قربان کرنے کو غلط قرار دیا۔⁴ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (1903-1979ء) نے سائنس اور سائنسی فکر کی حدود کو واضح کیا اور مذہب و سائنس کے تعلق کو بیان کیا۔⁵ اور مولانا ظفر علی خان (1873-1956) نے جان ولیم ڈرپر (1811-1882) کی کتاب کا اردو میں ترجمہ معرکہ مذہب و سائنس کے نام سے پیش کیا۔ جس میں سائنس اور مذہب کے تصادم کو بیان کیا گیا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر عبدالحق (1870-1961) نے طویل مقدمہ مذہب اور سائنس کے تعلق کو واضح کرنے کے لیے لکھا جس میں دونوں کی حدود کے تعین کے ساتھ ساتھ ان کے باہمی رشتے کو بھی وضاحت سے بیان کیا گیا

¹ - شبلی نعمانی، علامہ، علم الکلام (اعظم گڑھ: مطبع معارف، 1922ء)، 178۔

Shibli numāni, alāma, ilm al kalām (Azamgarh: Mataba Maarif, 1922), 178.

² - علامہ اقبال، Reconstruction of religious Thought in Islam، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، (مترجم: سید نذیر نیازی)، بزم اقبال لاہور، 1958ء

³ - آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، مکتبہ سعید، ناظم آباد کراچی،

⁴ - Joher, Muhammad Ali, My Life: A Fragment, A Autobiographical Sketch of Muhammad Ali Ed. Muhammad Ashraf, 1966, Page: 165

⁵ - مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تحقیقات (دہلی: مکتبہ جماعت اسلامی ہند، 1964ء)، 145۔

Maududi, Syed Abul-Ali, Tanqihat (Delhi: School of Jamaat-e-Islami Hind, 1964), 145.

۔ اس طرح اس عہد میں مذہب و سائنس کے بارے میں ماضی میں پائے جانے والے ابہام کا تدارک ہو گیا۔ دوسرا رجحان جو سامنے آیا وہ یہ تھا کہ سائنسی معلومات کو دینی مباحث میں استعمال کیا جائے، سائنس نے جن مسائل کو جنم دیا ان پر اسلامی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی جائے اور یہ (سائنس) جدید علم الکلام کا قیمتی جزو ہے۔

مدافعت و مصالحت کا دائرہ کار

مذہب اور تاریخ کی بحث بھی اسی دور کی پیداوار ہے جس کا آغاز مسیحی اعتراضات سے ہوا، ان اعتراضات کا جواب دینے کے لیے اسلامی تاریخ سے مثالیں پیش کی گئیں جس سے ایک کثیر سرمایہ علم وجود میں آیا۔ اب مدافعت کے بھی دو پہلو سامنے آئے ایک یہ کہ جس چیز پر مخالف اعتراض کرتا ہے اس کے وجود دین ہونے سے سرے سے ہی انکار کر دیا جائے۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ ہدف تنقید کے متعلق تحقیق و تفتیش کی جائے اس کے بعد اس اعتراض کے وقوع پذیر ہونے کا سبب بیان کر دیا جائے۔ دوسرا رجحان زیادہ قوی ہونے کی وجہ سے ترقی پا گیا جس سے مسلم ثقافت، طرز حکومت، فتوحات اور تمدن و علم کے علاوہ تاریخی کارناموں پر ایک ضخیم ادب معرض وجود میں آیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ نقص اور کمزوریاں بھی اس میں دیکھی جاسکتی ہیں کہ ابتداءً صرف من پسند پہلو اجاگر ہوئے جس سے عدم توازن کی کیفیت پیدا ہوئی لیکن جب تحقیق کا رشتہ تاریخ سے جڑا تو مسلمانوں کے نظام حیات کی تصویر نمایاں ہوئی۔ اس عہد میں بالخصوص دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور دور خلافت راشدہ کا مطالعہ مسلمانوں کی سوچ کا محور و مرکز ٹھہرا جس نے مسلمانوں کے ذہن اور ان کی اقدار کے معیار کو متاثر کیا۔ جس سے مغرب سے مرعوبیت اور اس کی نقالی اور بے جا تقلید میں واضح کمی واقع ہوئی اور اپنے ماضی سے راہنمائی کا رجحان پیدا ہوا، نیز اپنے ماضی کے بارے میں تنقیدی نظریہ بھی ابھرا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ مطالعہ کا خاص موضوع بن گئی اور اس دور میں سیرت پر اتنا زیادہ لٹریچر تیار ہوا کہ تاریخ کے کسی دور میں اتنی مختصر مدت میں اتنا وسیع ذخیرہ علم تیار نہیں ہوا۔

اس تاریخی لٹریچر نے ایک نئی بحث کو وجود بخشا کہ اگر مسلمان ماضی میں عظیم طاقت اور نمونہ تھے تو وہ کیا اسباب ہیں جنہوں نے مسلم امہ کو یہ دن دکھائے؟ اور کون سی راہ ہے جس پر چل کر ملت اسلامیہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتی ہے؟ اس دور میں دینی ادب میں یہ سوال کثرت کے ساتھ گردش کرنے لگا اور ہر اہم لکھنے والے نے اس سوال کو قابل اعتناء سمجھا۔ دلچسپ بات یہ کہ اکثر و بیشتر نے مسلم امہ کے زوال کا سبب دین سے دوری کو بتایا

اسلام کے سرچشمہ ہدایت کے مقابلے میں مسلمانوں نے جاہلی اثرات کو اپنی روزمرہ زندگی میں جگہ دی جس کی وجہ سے مسلم امہ روبہ زوال ہوئی۔ اس بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کا احیاء ہی ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل کا واحد حل ہے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور دنیوی ترقی کا راز بھی دینی ترویج میں مضمر ہے۔

اسلام اور مغربی تہذیب

اسلام اور مغربی تہذیب کے تعلق کی بحث بھی انیسویں صدی میں سامنے آئی کیونکہ نوآبادیاتی نظام کا مطلب ہی اغیار کا تسلط ہے اور تسلط نوآبادیات پر غالب آنے کا نام ہے، یہ غلبہ ذہنی، قلبی، نفسیاتی اور شعوری ہوتا ہے۔ لوگوں نے مغربی تہذیب کو قبول کرنے میں اپنے لیے راہ نجات تلاش کی، سماجی و معاشرتی، ثقافتی و تمدنی اور تعلیمی امور میں بڑی تیزی کے ساتھ وکٹورین تہذیب و ثقافت نے اپنی داغ بیل ڈال دی، بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ اس تقلید کو اپنے لیے باعث فخر سمجھنے لگا۔ اکبر الہ آبادی (1846-1921ء) نے اس پر ٹوکا مگر مغرب کی برتری کا احساس جلد جڑیں پکڑنے لگا۔ لہذا اس دور میں اسلام اور مغربی تہذیب دو متبادل نظاموں کے طور پر سامنے آئے اس پر بہت لے دے ہوئی، نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی اخلاقی میزان کو سامنے رکھ کر مغرب کی ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھایا جائے مگر مقاصد زندگی، اصول زندگی اور قانون حیات اسلام سے ہی لیے جائیں۔

اشتراکیت

اشتراکیت¹ تب موضوع سخن بنی جب روس میں اشتراکی انقلاب نے سر اٹھایا۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ بحث تب دلچسپ شکل اختیار کر گئی جب اس میں اسلام اور مذہب و سائنس والی بحث کا عکس نظر آنے لگا۔ کیوں کہ یہاں بھی اسی طرح دو طبقات سامنے آئے ایک اشتراکیت اور سوشلزم² کو اسلام کا عکس کہنے لگا اور دوسرا سرے سے اس کو اسلام کا ضد سمجھتا تھا اور تیسرا طبقہ اسلامی سوشلزم اور غیر اسلامی سوشلزم کا قائل ہو گیا۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے کھلے بندوں سوشلزم کی تبلیغ شروع کر دی تو نوجوان نسل اس سے متاثر ہوئی۔ سوشلزم کے اسلام سے متصادم ہونے والے علماء نے اسلامی کی معاشی فکر میں سے زکوٰۃ، سود اور قانون وراثت پر خصوصی بحث کی اور

¹ - سماجی و سیاسی تنظیم کا ایک نظریہ اور نظام جو بیسویں صدی کے زیادہ تر حصے میں دنیا کی اہم سیاست کی اہم قوت بنا رہا۔

² - سوشلزم سوشلسٹ یا اشتراکی مسلک بنیادی ذرائع پیداوار اور تقسیم دولت پر ریاستی ملکیت اور کنٹرول کا تقاضا کرتا ہے۔

اسلام کا سوشلزم اور سرمایہ داری کے نظام سے مختلف ہونا واضح کیا۔ جس گروہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ سوشلزم اسلام ہی کی ایک شکل ہے ان میں ابو الکلام آزاد، مولانا مودودی، حفظ الرحمن سیوہاری (1901-1962) اور مسعود عالم ندوی (1910-1954) وغیرہ شامل ہیں۔¹ اور اسلامی سوشلزم اور غیر اسلامی سوشلزم، اسلامی کمیونزم اور غیر اسلامی کمیونزم کا نعرہ لگانے والوں میں عنایت اللہ مشرقی (1888-1963ء) کا نام لیا جاتا ہے۔² اس عہد کے یہ موضوعات بعد کی سیاسی اور تہذیبی ترقی میں سنگ میل ثابت ہوئے۔ تحریک پاکستان نے جس بنیاد پر ترقی حاصل کی وہ بھی یہی تھی کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ضروریات کی تکمیل کے لیے مدد و معاون ہے۔ معاشرت، معیشت، سیاست سب شعبہ ہائے زندگی کی راہنمائی اسلام کی تعلیمات میں موجود ہے۔ انیسویں صدی کا آخر اور بیسویں صدی کے ربع اول میں مغرب کی سیاسی اور علمی تحریک بر صغیر میں مقبول ہو چکی تھیں۔ یہاں انگریزی شعراء بہت مقبول ہوئے جن کے سبب آزادی اور سوسائٹی کی نئی تشکیل کی لگن پیدا ہوئی۔

تنقیدی لحاظ سے شعراء کا امریکی جنگ آزادی، انقلاب فرانس اور معاشرے کی نئی تعمیر سے نوجوانوں کا علمی تعلق انقلاب کا پیغام بن کے آیا۔ ان شعراء کے وسیلے سے ہماری نوجوان نسل فرانسیسی مفکرین، روسو، ٹالسٹاؤس (1712-1778) Rousseau, Jean Jacques،³ وولٹیئر (1694-1778)،⁴ اور ہوبز تھامس (Hobbes Thomas)⁵ (1588-1679) کے انقلابی خیالات سے بھی روشناس ہوئی۔

Jung of Liberty

جنگ آزادی 1857ء

¹ - آزاد، ابو الکلام، ترجمان القرآن، مکتبہ سعید، ناظم آباد کراچی، جلد دوم، صفحہ 129

² - Smith, W. C., Modern Islam in India, Lahore, 1963

³ - روسو، ٹالسٹاؤس فرانسیسی فلسفی، مصنف اور سیاسی نظریہ ساز جو عہد روشن خیالی کے نہایت فصیح اللسان اہل قلم میں سے ایک ہے

⁴ - وولٹیئر فرانسیسی مصنف اور فلسفی جو روشن خیالی کے سرکردہ فلسفیوں میں شامل ہے جس نے مسیحیت کو اپنے طنز کا مرکزی نشانہ بنایا اور کیتھولک کلیسیا کو ترقی کا دشمن قرار دیا۔

⁵ - ہوبز تھامس سیاسی ریاست کی سیکولر توجیہ پیش کرنے والے اولین جدید مغربی فلسفیوں میں سے ایک ہے۔ اس کا فلسفہ انگلش فلسفے میں علم الکلام کے مذہبی پہلو سے تعلق توڑے جانے کا نمائندہ ہے۔

1857ء بجا طور پر برصغیر میں اہم سیاسی موڑ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کے تہذیبی اثرات بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ اس سیاسی اور تہذیبی تبدیلی نے مسلمانوں کو براہ راست متاثر کیا۔ اس کے علاوہ عیسائی مشنریز جو اس سانحے سے پہلے ہی یہاں وارد ہو چکی تھیں اس واقعے کے بعد ان کے حوصلے اور بلند ہو گئے، وہ نہ صرف پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس کو نشانہ تنقید بنا رہی تھیں بلکہ تعلیم، زبان اور ادب سب کو متاثر کر رہی تھیں۔ یہی وہ دور ہے جب سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء نے قرطاس و قلم کا میدان سنبھالا اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس کو ہدف تنقید بنانے والوں کو جواب دیا۔ سرسید احمد خان (1817-1998ء)، مولوی چراغ علی (1844-1895ء)، سید امیر علی (1849-1928ء) اور ابوالکلام آزاد (1888-1958) نے عیسائیت کے حملوں کا جواب دیا اور یہیں سے سیرت نگاری میں مختلف رجحانات نمایاں ہوئے۔ 1757ء میں مسلمانوں کا جو تنزل شروع ہوا وہ 1857ء میں انتہا کو پہنچ گیا۔ سیاسی انقلاب کے علاوہ جو انحطاط اور تنزل مسلمانوں کی تمدنی اور اقتصادی زندگی میں رونما ہوا وہ اس سے بھی زیادہ تھا۔ اقتصادی اور ذہنی پستی کی اصلاح کے لیے ضروری تھا کہ مسلمان انگریزی تعلیم حاصل کریں۔ لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ ایک ایسی زبان تیار ہو جو فارسی کی جگہ لے سکے کیونکہ اب تک مسلمانوں کی زبان فارسی تھی۔ نیز اب یہ ضروری تھا کہ ایک ایسا لٹریچر وجود میں آئے جو مسلمانوں کی زبانوں کی تصویر کشی کر سکے۔ ایک نئی نثر رائج ہو جو زور انشاء دکھانے کے لیے نہیں بلکہ روزمرہ کے واقعات بیان کرنے کے کام آئے۔ اور تحریک علی گڑھ نے یہ محاذ سنبھال لیا، سرسید کی تعلیمی اصلاح کا زمانہ اردو ادب کا بھی عہد زریں ہے۔¹

اس کارواں کے روح رواں، دست راست اور سرخیل سرسید ہیں بایں وجہ ان کے مختصر تعارف کے بعد ان کی شاہکار اور معرکتہ الآراء تصنیف خطبات احمدیہ پر سیاسی اثرات کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

سرسید احمد خان کا تعارف

سرسید نے 1839ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کی لیکن دہلی دربار سے بھی وابستہ رہے۔ 1857ء میں انہوں نے برطانیہ کے ساتھ پوری وفاداری نبھائی۔ اس موضوع پر ان کی تین تصانیف ہیں۔ تاریخ بجنور (1858ء) اسباب بغاوت ہند (1858ء) اور لائل محض نز آف انڈیا (1860ء)۔ ان سیاسی مسائل کے علاوہ جن

¹ - محمد اکرام، شیخ، موج کوثر، لاہور، ادرا ثقافت اسلامیا، 1997ء، صفحہ 75

Muhammad Ikram, Shaikh, Moj Kausar, Lahore, Idra Kultur Islamia, 1997, p. 75

علی و تحقیقی مجلہ الادراک

سے انہیں 1859ء میں دوچار ہونا پڑا، مغربی تہذیب کو جانچنے اور پرکھنے کا دینی و فکری مسئلہ بھی انہیں درپیش تھا اور دینی مسائل سے متعلق وہ عقلی مسائل بھی تھے جو نئی سائنسی معلومات کی وجہ سے سامنے آرہے تھے۔¹

خطبات احمدیہ کی خصوصیات اور سیاسی اثرات کا جائزہ

اس کتاب کی خوبی اور جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے اس کی حقیقت جب تک اصل کتاب کو نہ دیکھا جائے ہرگز معلوم نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً اردو خطبات جو سرسید نے انگلستان سے آنے کے بعد لکھی ہے انگریزی کتاب کی بہ نسبت زیادہ وسیع معانی کی حامل ہے، جس سے مصنف کی محنت و لیاقت اور اسلام سے محبت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ نیز جب سرسید نے خطبات احمدیہ لکھی اس وقت مذہبی تحقیقات کے متعلق ان میں وہ آزاد خیالی پیدا نہیں ہوئی تھی جیسی تفسیر القرآن میں دیکھی جاسکتی ہے۔ خطبات احمدیہ میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں سرسید نے اسلام کے اصول متعارفہ کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ مثلاً واقعہ معراج کے مضمون کو رویا پر محمول کیا ہے، شق صدر اور براق کی سواری کو بھی اسی قبیل میں شامل کیا ہے۔ البتہ سرسید نے ان روایات کی جن کی بناء پر سرولیم میور William Muir نے آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ پر اعتراضات وارد کیے تھے نہایت مدلل انداز میں تردید کی ہے۔ ولیم میور² (1819ء-1905ء) نے جب خطبات احمدیہ کو پہلی بار دیکھا تو اس نے کہا۔

I have not objected to Syed Ahmed's Islam, but I have objected to the Islam which is followed by Muslims all over the world.

میں نے سید احمد کے اسلام پر اعتراض نہیں کیا بلکہ اس اسلام پر اعتراض کیا ہے جس کو تمام دنیا کے مسلمان مانتے چلے آتے ہیں۔

یہاں خطبات احمدیہ فی العرب والسیرة المحمدیہ ﷺ میں سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس سرسید احمد خان کے الخطبۃ الحادی عشر فی حقیقۃ شق الصدر و ماہیۃ المعراج میں بیان کردہ نظریات و افکار

¹ - حالی، الطاف حسین، مولانا، حیات جاوید، لاہور، آرٹ پریس، 1971ء، صفحہ 133

Hali, Altaf Hussain, Maulana, Hayat Javed, Lahore, Art Press, 1971, page 133

² - ولیم میور 27 اپریل 1819ء کو انگلستان میں پیدا ہوئے۔ ایڈنبرا، گلاسگو اور سیلبری یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ 1837ء میں بنگال سول سروس میں شامل ہوئے 1857ء میں آگرہ محکمہ جاسوسی کے نگران تھے۔ ولیم میور کی بحیثیت مستشرق شہرت اس وقت ہوئی جب اس نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر کتاب The Life of Mahomet لکھی۔ 1905ء کو انتقال ہوا۔

پر روشنی ڈالتا ہے۔ قرآن مجید کی رو سے ہم کو شرح صدر پر جس کو آخر کار لوگ شق صدر کہنے لگے اور نفس معراج کی صحت و صداقت پر بغیر شبہ کے ایمان لانا چاہیے۔ لیکن وہ حدیثیں اور روایتیں جو شق صدر اور معراج سے تعلق رکھتی ہیں وہ باہم اس قدر مختلف اور متعارض و متناقض ہیں کہ کوئی بھی قابل اعتبار نہیں ہے اور ان کی صحت کی کافی سندیں بھی نہیں ہیں۔¹

مذکورہ بالا موقف اپنانے کے بعد سرسید از خود اس کی صراحت کرتے ہیں اور وضاحت میں لکھتے ہیں کہ عیسائی مصنف ایک بڑی غلطی میں پڑے ہیں اور اپنی کتابوں تورات و انجیل کے ان مقاموں کو جن میں تاریخی واقعات بیان ہوئے ہیں بمنزلہ وحی الہی یعنی کلام الہی کے سمجھتے ہیں اور ان سب کو ہر طرح کی غلطی اور خطا سے پاک سمجھتے ہیں حالانکہ ان میں بہت سی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح انہوں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مسلمان بھی اپنی حدیثوں اور روایتوں کو ایسا ہی بے نقص اور صحیح سمجھتے ہوں گے اور اس خیال خام سے انہوں نے مسلمانوں کی تمام حدیثوں اور روایتوں کو ناقابل خطا تصور کر کے اسلام پر نہایت سخت طعن و تشنیع کی ہے لیکن وہ بڑی غلطی میں پڑے ہیں کیونکہ ہشامی، واقدی، دارمی اور شرح السنہ کی روایتیں صحت سے بہت دور ہیں۔ محققین علمائے اسلام ان کو محض ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں اور بیہودہ افسانے جو محض جہلا کے خوش کرنے کے قابل ہیں خیال کرتے ہیں۔² علاوہ ازیں سرسید نے شق صدر کی روایت جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اصح الکتب بعد القرآن کے بعد دوسرے نمبر پر یعنی الصحیح المسلم میں موجود ہے۔ اس کا بھی ایک گونہ اقرار کر کے چار وجوہ سے اس کو باطل قرار دے دیا۔ اور واقعہ معراج کے ضمن میں لکھا کہ معراج کے تمام واقعات جو کچھ کہ ہوں بطور رؤیا کے آنحضرت ﷺ پر منکشف ہوئے تھے پس جو بیان شق صدر کا اس روایت میں ہے وہ بھی رؤیا سے متعلق ہے۔³ مگر ہم ان عیسائی مصنفین کا شکر ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے انصافانہ تسلیم کیا ہے آنحضرت ﷺ ہمیشہ اس واقعے کو خواب کا واقعہ بیان کرتے تھے اور انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ راویوں نے جو زیادتیاں اس میں بیان کر دی ہیں ان سے بانی اسلام پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اکتوبر کے کو اٹلے ریویو 254 میں ایک عیسائی

¹ - سید احمد خان، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرة المحمدیہ، لاہور، دوست الیوسی ایٹس، س-ن، صفحہ 351

² - ایضاً، صفحہ 352

³ - ایضاً، صفحہ 353

مصنف نے یہ رائے لکھی ہے کہ جو کچھ ہم کو اس مقام پر بیان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے بعض سرگرم پیروں کا ذمہ دار نہیں قرار دینا چاہیے جب کہ انہوں نے اس خواب کو ایک مہمل اور لالچنی چیز کے سہارے بدل دیا۔¹ خطبات احمدیہ جہاں منفرد خصوصیات کی حامل ہے۔ وہاں بعض باتیں مصنف کے حوالے سے اور بعض کتاب کے حوالے سے جمہور علماء کی آراء سے مختلف ہیں بلکہ کسی حد تک قابل اعتراض بھی ہیں۔ مصنف نے اپنے مد مقابل ولیم میور William Muir کے بارے میں کسی مرحلے پر معاندانہ، مناظرانہ اور طنز آمیز لہجہ اختیار نہیں کیا لیکن مقام تعجب ہے کہ جہاں اپنے اسلاف پر تنقید کی وہاں شائستگی کو بھی خیر باد کہہ دیا۔² مثلاً امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمۃ (810ء-870ء) کے بارے میں لکھتے ہیں۔

محمد بن اسماعیل بخاری مسلمانوں میں بہت بڑا عالم اور مقدس مصنف ہے۔ ایک کتاب اس کی صحیح بخاری³ ہے جو بلحاظ اس حیثیت سے جس حیثیت سے وہ تصنیف ہوئی نہایت معتبر اور مستند خیال کی جاتی ہے گو کہ دوسری حیثیت سے وہ ایسی نہ ہو۔ دوسری کتاب اس کی تاریخ بخاری ہے جو کچھ بھی قدر کے لائق نہیں ہے۔⁴

سیرت کی معروف کتاب مواہب اللدنیہ بالملخ الحمدیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔
مصنف مواہب لدنیہ (1448ء-1517ء)⁵ نے سب سے زیادہ نادانی کی ہے کہ ان مختلف روایتوں کو دیکھ کر بعض ان کے ان کو نامعتبر ٹھہراتا، یہ تسلیم کیا ہے کہ شق صدر کا واقعہ پانچ مرتبہ پیش آیا۔ ہمعصر علماء کے بارے

¹ - ایضاً، صفحہ 355

² - صدیقی، محمد میاں، ڈاکٹر، اردو زبان میں چند اہم کتب سیرت، سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد، جولائی، دسمبر، 1992ء، صفحہ 277

³ - صحیح بخاری کا اصل نام الجامع المسند الصحيح المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ - علمائے امت نے اس کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا لقب دیا۔ جس میں 16 سال کی لگاتار محنت سے 7397 احادیث، 160 کتابیں اور 3450 ابواب اور 22 طعنا ثبات ہیں۔

⁴ - صدیقی، محمد میاں، ڈاکٹر، اردو زبان میں چند اہم کتب سیرت، سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد، جولائی، دسمبر، 1992ء، صفحہ 278

⁵ - مواہب اللدنیہ بالملخ الحمدیہ سیرت نبوی ﷺ کے موضوع پر امام قسطلانی کی معروف اور مقبول کتاب ہے جس کی سب سے مفصل شرح زر قانی نے شرح المواہب اللدنیہ کے نام سے آٹھ ضخیم جلدوں میں کی اور مصر سے شائع ہوئی۔

میں بھی کئی مقامات پر غیر شائستہ زبان استعمال کی گئی ہے۔ مثلاً محمد میاں صدیقی نے فکر و نظر میں اپنے مضمون اردو زبان میں چند اہم کتب سیرت "میں لکھا کہ سر سید احمد خان مولوی زین العابدین کے متعلق لکھتے ہیں۔ بعض احباب نالائق مولوی زین العابدین نے میرا ارادہ در باب تحریر جواب کتاب ولیم میور صاحب جو نسبت آنحضرت ﷺ لکھی ہے، سست کر دیا ہے اور بروقت روانگی سامان اور چندہ کرنے نہیں دیا۔¹ انتہائی تحقیق کے باوجود خطبات احمدیہ اہل علم کی نظر میں ایک متنازعہ کتاب قرار پائی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اردو میں سیرت رسول ﷺ پر لکھی جانے والی تمام کتب میں سب سے زیادہ ہدف تنقید ٹھہرائی جانے والی کتاب خطبات احمدیہ ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ولیم میور نے اسلام اور نبی ﷺ کی ذات اقدس پر جو اعتراضات کیے سرسید ان واقعات کی حقیقت سے ہی منحرف ہو گئے۔ ولیم میور William Muir نے جسمانی معراج کا انکار کیا تو سرسید بجائے اس کے کہ یہ ثابت کرتے کہ ایسا ممکن ہے سرے سے ان روایات کا ہی انکار کر دیا جن سے اس کا ثبوت ملتا تھا۔ حالانکہ ایک صدی گزرنے کے بعد سائنسی تحقیقات اس منزل پر پہنچ چکی ہیں کہ جو طبقہ کل تک ایسی باتوں کا انکار کرتا تھا اب ان کا معترف نظر آتا ہے۔²

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پیش آنے والے بعض خلاف عادت واقعات کو معجزہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ دوسروں کے لیے ایسا ممکن نہیں وہ اس سے عاجز ہیں۔ معجزہ حقیقت میں معرفت نبوت کا ایک ذریعہ ہے اسے عقل کی ترازو میں کیسے تولایا جاسکتا ہے۔ نبوت و رسالت کی حدود وہاں سے شروع ہوتی ہیں جہاں انسانی عقل کی رسائی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے حواس، ادراک و شعور عاجز و ماندہ ہو جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نبوت و رسالت سے پہلے شق صدر کا واقعہ پیش آیا، محدثین کا اس بارے میں تو اختلاف ہے کہ یہ واقعہ کتنی بار پیش آیا لیکن جمہور علماء اس کے وقوع کے منکر نہیں ہیں، لیکن سرسید نے اس کے وقوع کا ہی انکار کر دیا۔ اور اس انکار کی بنیادی وجہ عقل میں نہ آنا ہے۔ انہوں نے شق صدر کو شرح صدر سے تعبیر کیا جو بڑا عجیب ساموئف ہے۔ تیرہ صدیوں تک علماء شق صدر اور شرح صدر میں فرق نہیں کر سکے، یہ کیسے ممکن ہے؟ شق صدر کی روایات کو مسلم (822ء-875ء)، ابو داؤد طیالسی (751ء-819ء)، احمد بن حنبل (780ء-855ء)، زر قانی، بیہقی (994ء-1066ء)، طبرانی،

¹ صدیقی، محمد میاں، ڈاکٹر، اردو زبان میں چند اہم کتب سیرت، سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد، جولائی، دسمبر، 1992ء، صفحہ 278

² - ایضاً، صفحہ 279

عسقلانی (1372ء-1449ء)، ابن سعد (784ء-845ء)، ابن ہشام (833ء) اور سیوطی (1445ء-1505ء) نے اپنی اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد سرسید کا یہ کہنا کہ یہ سب بیکار کی باتیں اور بیہودہ افسانے ہیں نہ صرف یہ کہ بے دلیل بات ہے بلکہ غیر شائستہ انداز فکر و تحریر ہے۔ علمی طور پر سرسید کے قد و قامت کو ان مذکورہ بالا افراد میں سے کسی ایک کے برابر بھی قرار نہیں دیا جاسکتا چہ جائیکہ ان سب کی معتبر اور معتمد روایات پر سرسید کی بے دلیل بات کو ترجیح دی جائے۔¹

کتب احادیث کے بارے میں لکھنا کہ دو برس بعد حدیث شروع ہوئی بڑی بچکانہ سی بات ہے۔ مولانا محمد اسماعیل ندوی نے اس ضمن میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔

سرسید میں دو بڑی خامیاں بھی تھیں جس نے ان کے پورے علم الکلام اور اسلامی لٹریچر کی دینی و علمی قدر و قیمت میں بہت کمی پیدا کر دی۔ ایک تو اسلامی علوم میں ان کی بے بضاعتی اور قلت مطالعہ اور دوسری یہ کہ مغربی علوم سے ان کی براہ راست ناواقفیت اور سنی سنائی باتوں پر اعتماد اور بھروسہ، اس کا نتیجہ یہ ہوا انہوں نے مستشرقین کے مد مقابل جو دلیلیں دیں وہ درجہ اعتبار سے اتنی پللی ثابت ہوئیں کہ موجودہ زمانے میں اہل نظر انہیں دیکھ کر ہنس پڑیں۔ مثلاً تدوین حدیث کے بارے میں یہ لکھنا کہ امام بخاری کے دور تک عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں ہوا تھا۔ لہذا کتابت حدیث کا باقاعدہ آغاز دوسری صدی ہجری کے بعد ہوا۔²

یہ کہنا تو شاید مبالغہ ہو کہ سرسید احمد خان نے اپنی کتاب کی بنیاد سنی سنائی باتوں پر رکھی اور ان پر اعتماد کیا، البتہ اگر انتہائی محتاط طریقے سے بھی بات کی جائے تو یہ کہنا حقیقت کے خلاف نہیں ہو گا کہ ولیم میور اور دیگر مستشرقین کے مقابلے میں ان کا رویہ معذرت خواہانہ ہے۔ سرسید احمد خان کی خطبات احمدیہ کے حسن و قبح میں ان کے تجدد پسندانہ نظریات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ برصغیر پاک و ہند میں سرسید احمد خان نے تجدد کی بنیاد رکھی۔ خطبات احمدیہ میں جو مدافعانہ، معذرت خواہانہ اور مرعوبانہ رویہ کا اظہار ہوتا ہے وہ ان کی تجدد پسندی کا مظہر ہے۔ سرسید احمد خان کی تجدد پسندی صرف سیرت ہی میں نہیں بلکہ قرآن و تفسیر،

¹ - ایضاً، صفحہ نمبر 280

² - ایضاً

حدیث و تاریخ اور سیاست و معاشرت میں بھی نمایاں ہے۔ خطبات احمدیہ کو سیرت نگاری میں تجدید پسندی کی رجحان ساز سیرت کہا جاسکتا ہے۔

انتہائی تحقیق کے باوجود خطبات احمدیہ اہل علم کی نظر میں ایک متنازعہ کتاب قرار پائی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اردو میں سیرت رسول ﷺ پر لکھی جانے والی تمام کتب میں سب سے زیادہ ہدف تنقید ٹھہرائی جانے والی کتاب خطبات احمدیہ ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ولیم میور نے اسلام اور نبی ﷺ کی ذات اقدس پر جو اعتراضات کیے سرسید ان واقعات کی حقیقت سے ہی منحرف ہو گئے۔ ولیم میور نے جسمانی معراج کا انکار کیا تو سر سید بجائے اس کے کہ یہ ثابت کرتے کہ ایسا ممکن ہے سرے سے ان روایات کا ہی انکار کر دیا جن سے اس کا ثبوت ملتا تھا۔ حالانکہ ایک صدی گزرنے کے بعد سائنسی تحقیقات اس منزل پر پہنچ چکی ہیں کہ جو طبقہ کل تک ایسی باتوں کا انکار کرتا تھا اب ان کا معترف نظر آتا۔ انبیاء کے ساتھ پیش آنے والے بعض خلاف عادت واقعات کو معجزہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ دوسروں کے لیے ایسا ممکن نہیں وہ اس سے عاجز ہیں۔ معجزہ حقیقت میں معرفت نبوت کا ایک ذریعہ ہے اسے عقل کی ترازو میں کیسے تولایا جاسکتا ہے۔ نبوت و رسالت کی حدود وہاں سے شروع ہوتی ہیں جہاں انسانی عقل کی رسائی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے حواس، ادراک و شعور عاجز و ماندہ ہو جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نبوت و رسالت سے پہلے شق صدر کا واقعہ پیش آیا، محدثین کا اس بارے میں تو اختلاف ہے کہ یہ واقعہ کتنی بار پیش آیا لیکن جمہور علماء اس کے وقوع کے منکر نہیں ہیں، لیکن سرسید نے اس کے وقوع کا ہی انکار کر دیا۔ اور اس انکار کی بنیادی وجہ عقل میں نہ آنا ہے۔ انہوں نے شق صدر کو شرح صدر سے تعبیر کیا جو بڑا عجیب سامو قف ہے۔ تیرہ صدیوں تک علماء شق صدر اور شرح صدر میں فرق ہی نہیں کر سکے، یہ کیسے ممکن ہے؟

خطبات احمدیہ کے علاوہ سرسید احمد خان کا ایک قدیم ترین نایاب مضمون جلاء القلوب بذکر المحبوب ﷺ ہے جسے آپ نے 1842ء میں آنحضرت ﷺ کی ایک مختصر سوانح عمری کی صورت میں پیش کیا۔ لیکن اس سوانح عمری پر خود ہی 1878ء میں ریویو لکھ کر کسی حد تک اس کی نفی کر دی کیونکہ برصغیر کی سیاسی صورت حال نے آپ کے خیالات میں جو تغیر پیدا کیا وہ انقلاب کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس انقلاب کی ایک جھلک جلاء القلوب بذکر المحبوب ﷺ سے ذیل میں پیش کی جاتی ہے سرسید آنحضرت ﷺ کی ولادت کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

جس رات آنحضرت ﷺ نے ظہور فرمایا انوار الہی ظاہر ہوئے اور کسری کہ کافروں میں بہت بڑا عظیم الشان بادشاہ تھا اور ہزاروں برس سے اس کے گھر میں بادشاہی چلی آرہی تھی اس کا محل لرز گیا اور چودہ کنگرے اس کے گر پڑے۔ اور فارس کا آتش کدہ کہ ہزار برس سے اس میں آگ جل رہی

تھی اور فارس کے آتش پرست اس کو پوجا کرتے تھے دفعتاً بجھ گئی اور ساوہ کے چشمہ میں ایک بوند پانی نہ رہا۔¹

اس اقتباس سے بخوبی دیکھا جاسکتا ہے کہ سرسید حضور ﷺ سے اظہار عقیدت میں کس درجہ وارفتگی اور فرزانگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں لیکن صرف چند برسوں میں آپ کی سوچ اور خیالات و تصورات نے وہ پلٹا کھایا کہ ریویو جلاء القلوب بذکر المحبوب ﷺ میں لکھتے دکھائی دیے۔ اس زمانے میں تو اس (جلاء القلوب بذکر المحبوب ﷺ) (رسالے کے لکھنے پر بڑا فخر تھا مگر اب اس کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔² اسی جلاء القلوب بذکر المحبوب کے ریویو میں مزید ذہنی پختگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس رسالہ میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو حال کے یقین کے بالکل خلاف ہیں۔ آنحضرت ﷺ بلاشبہ شفیع امت ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے وہ راہ بتائی ہے جس پر چلنے سے نجات ہوتی ہے مگر یہ سمجھنا کہ قیامت میں گناہ بخشوالیں گے یہ تو بالکل عیسائیوں کے مسئلہ کے مطابق ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح تمام امت کے گناہوں کے بدلے میں فدیہ ہو گئے۔³

بائیں ہمہ انہوں نے تثلیث (Tried)⁴ کے منکر عیسائی مؤحدوں کی تحریروں کے مطالعہ کی طرف بھی توجہ کی اور معتزلہ کے انداز میں عقلی مشکمانہ اصول کے تحت اسلام کی از سر نو صحیح اور واضح سمت متعین کرنے کی کوشش کی، جس کے تحت وہ مسیحیت کی بھی مدح سرائی کرنے لگے۔ اس طرح ان کی تمام ذہنی اور دماغی طاقت سائنس اور مذہب کے مابین تنازعہ کو سلجھانے کی کوشش میں مصروف تھی اور نوجوان مسلم طبقہ کو متوجہ کرنے کے لیے وہ

¹۔ پانی پتی، اسماعیل، مقالات سرسید (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1991ء)، 7:7۔

Panipati, Ismail, *Maqalat-e-Sir Syed* (Lahore: Majlis Tragqi Adab, 1991), 7: 7.

²۔ صفحہ 32

³۔ صفحہ 34

⁴۔ مذہب اور اسطوریات میں تین منسلک دیوتاؤں کا گروپ۔ ہندو تھری تریمورتی، عیسائی عقائد میں باپ بیٹے اور روح کی تثلیث کو مانا جاتا ہے۔ سومیری بھی ایک تھری کو ماننے ہیں۔ بابلی تثلیث میں انو، بعل، اور ایشا شامل تھے۔ یونانی اساطیر میں زئیس، پوسیدون اور پلوٹون نے تثلیث بنائی۔

دونوں کی بہترین صفات میں ہم آہنگی اور یک رنگی پیدا کرنے میں کوشاں رہے۔¹ معجزات انبیاء اور نبی آخر الزمان ﷺ کے ضمن میں سرسید احمد خان اپنے مقالات کے حصہ سیزدہم میں یوں رقمطراز ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس جو افضل الانبیاء والرسول ہیں معجزہ نہ ہونے کے بیان سے معجزہ نہ ہونے کے بیان سے ضمنائے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء سابقین کے پاس بھی کوئی معجزہ نہیں تھا اور جن واقعات کو لوگ معجزہ سمجھتے تھے درحقیقت وہ معجزات نہ تھے بلکہ واقعات تھے جو مطابق قانون قدرت کے واقع ہوئے تھے۔²

خلاصہ بحث

سیاست اور معاشرہ باہم لازم و ملزوم ہوتا ہے اور سیاست براہ راست انسانی اخلاق اور سماج کو متاثر کرتی ہے۔ نو آبادیاتی نظام جب پوری طرح پختہ گاڑھچکا تو اس ثمرات بھی سامنے آنے لگے۔ نو آبادیات میں طاقتور قومیں اپنے خاص تجارتی مقاصد کے حصول کے لیے کسی دوسرے علاقے پر جب اپنا تسلط قائم کر لیتی ہیں تو نہ صرف مقامی باشندوں کو اپنا محکوم بناتی ہیں بلکہ ان کی معیشت، ثقافت، زبان و ادب اور معاشرے کی ہر چیز کو اپنے قبضے میں لے لیتی ہیں۔ نو آباد کار محکوم آبادی سے سیاسی، ذہنی اور ثقافتی اطاعت کا بھی تقاضہ کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا اثرات اسی نو آبادیاتی عہد کا شاخسانہ ہیں جو سرسید نے محسوس کیے اور نوک قلم تک لائے اس سارے ماحول کی تخلیق میں سب سے اہم کردار نو آبادیاتی حکومت اور طرز حکمرانی کا ہے جس کی سرخیل برٹش گورنمنٹ تھی جو تقریباً آدھ صدی برصغیر پاک و ہند پر مسلط اور ابرہماں رہی۔ جس نے یہاں کے ثقافتی و تہذیبی، معاشی و اقتصادی، سماجی و معاشرتی، مذہبی و دینی ماحول کو متاثر کیا بالخصوص سیاسی ماحول پر دیرپا نقوش ثبت کیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

¹ - جرجی زیدان، حیات سید احمد، مترجم۔ کے۔ ایم۔ فریق، علی گڑھ، 1903ء، صفحہ 1-16
Jurji Zaidan, Hayat Syed Ahmad, translated by K. M. Fariq, Aligarh, 1903, pp. 1-16.

² - پانی پتی، اسماعیل، مقالات سرسید، 10: 130
Panipati, Ismail, Maqalat-e-Sir Syed, 10: 130